15

ابتلاؤں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا الٰہی خبریں بتاتی ہیں کہ ابھی اَور مصائب آنے والے ہیں

(فرمودہ 23/اپریل 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

" گزشتہ جمعہ کے موقع پر مَیں نے نظارت تعلیم و تربیت کو ہدایت کی تھی کہ وہ اِس بات کا انتظام کرے کہ آئندہ جمعہ سے سائبان کافی لگے ہوئے ہوں تا کہ لوگوں کو دھوپ میں نہ بیٹھنا پڑے۔ اُسی دن شام کے قریب نائب ناظر صاحب کی طرف سے مجھے رپورٹ ملی کہ آئندہ جمعہ میں ایک احمدی بھی دھوپ میں بیٹھا ہوا نہیں ہوگا لیکن اِس وقت مجھے سینکڑوں آدمی باہر بیٹھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ نہ معلوم میری نظر کا قصور ہے یا ناظر صاحب کے نزدیک جو باہر بیٹھے ہیں وہ احمدی نہیں یا کوئی اَور وجہ ہے۔ بہرحال جتنی شان کے ساتھ اور جس قدر جلدی وعدہ کیا گیا تھا اُسی شان کے ساتھ عدمِ ایفاء کا بھی نمونہ دکھایا گیا ہے۔ مومن کو اول تو ہوشیار ہونا چاہیے اور جو فرض اُس کے ذمہ لگایا گیا ہو اُسے ادا کرنا چاہیے۔ پھر کم سے کم ایمان کی علامت جس سے اُتر کر پھر نِفاق ہی رہ جاتا ہے یہ ہے کہ جو نہیں کرنا اُس کے متعلق انسان کہہ دے کہ مَیں نے نہیں کرنا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں وہ مجھے اَور خط لکھ دیں

گے کہ یہ غلطی ہوئی وہ غلطی ہوئی یا فلاں وجہ سے سائبانوں کا انتظام نہیں ہو سکا۔ مگر سوال یہ ہے کہ وجوہات تو ہوتی ہی رہتی ہیں مجھے اپنے مُلک کی ذہنیت میں سے سب سے بڑی قابلِ اعتراض بات یہی نظر آتی ہے کہ وہ پہلے سوچتے نہیں کہ کیا مشکلات پیش آئیں گی۔ اور چونکہ وہ سوچتے نہیں اِس لیے مشکلات کو دور کرنے کے لیے جدوجہد نہیں کرتے۔ اور چونکہ وہ جدوجہد نہیں کرتے اِس لیے جب کام نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں مشکل پیش آ گئی تھی اس لیے کام نہ ہو سکا۔ حالانکہ سوال یہ ہے کہ کیا وہ مشکلات آسمان سے اچانک آ گری تھیں؟ اگر وہ ممکن مشکلات تھیں تو پھر ممکن کوشش بھی ان کو کرنی چاہیے تھی یا ممکن مشکلات کے پیشِ نظر انہیں ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دینا چاہیے تھا۔ بہرحال دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہونی چاہیے۔ یا تو جو ممکن مشکلات ہوں اُن کے متعلق ممکن جدوجہد کرنی چاہیے یا ممکن مشکلات کو دیکھتے ہوئے کام کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ انہوں نے بھی جب ایک کام کرنے کا وعدہ کیا تھا تو اُس کام میں جو ممکن مشکلات تھیں اُن کا انہیں پتہ ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے کیوں یہ خیال کر لیا کہ جو سو فیصدی آج حالات ہیں وہی کل بھی ہوں گے۔ یہی خیال کر لینا بددیانتی ہوتی ہے۔ خدا نے ہر کام میں مشکلات بھی پیدا کی ہیں اور پھر حالات بھی روز بروز بدلتے رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی کام کا اقرار کرے تو اُسے سوچنا چاہیے کہ مَیں اسے کہاں تک پورا کر سکتا ہوں۔ مگر ہمارے ملک کے لوگ وعدہ کر کے اول تو بیٹھے رہیں گے اور اگر کام کے لیے جائیں گے تو آخری روز جائیں گے اور آ کر کہہ دیں گے کہ ہم تو گئے تھے مگر دُکان بند تھی۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جب دکان اَور دنوں میں بھی کھُلی ہوتی ہے تو تم جمعرات یا جمعہ کو کیوں گئے؟ تمہارے جھوٹے ہونے کی علامت ہی یہی ہے کہ تم جمعرات کو جاتے ہو اور جب تم دکان بند پاتے ہو تو اس کے بعد تمہارے لیے اَور کوئی صورت نہیں رہتی۔ تمہارا فرض تھا کہ تم ہفتہ کو جاتے اور اگر ہفتہ کے دن دکان کو بند پاتے تو اتوار کو جاتے۔ مَیں اتوار کا اِس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ آجکل بعض دکانیں تو اتوار کو بند ہوتی ہیں مگر بعض پیر یا کسی اَور دن بند ہوتی ہیں۔ اگر اتوار کو بھی دکان کو بند پاتے تو پیر کو جاتے اور اگر پیر کے دن بھی تم اُس دکان کو بند پاتے اور تم میں عقل ہوتی تو تم سمجھتے کہ اب ہمیں کسی اَور دکان پر جانا چاہیے۔ چنانچہ منگل کے دن تم کسی اَور دکان پر جاتے۔ فرض کرو وہ دوسری دکان کھلی تو ہے مگر دکاندار ریٹ زیادہ بتاتا ہے تو بدھ اور جمعرات دو دن ابھی تمہارے پاس ہوتے۔ تم بدھ کے دن کسی اَور دکان پر

چلے جاتے اور اُس سے ریٹ دریافت کرتے۔ اگر وہ بھی اتنا ہی ریٹ بتاتا تو تم بدھ یا جمعرات کو دونوں میں سے کسی ایک دکان سے سامان خرید لیتے یا کرایہ پر لے لیتے اور اپنے کام میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن اگر تم جمعہ کے دن وعدہ کر کے اگلے جمعہ کو جاتے ہو یا اگلی جمعرات کو جاتے ہو تو تم خود اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتے ہو کہ تمہارا نفس نیک نہیں تھا وہ جھوٹا تھا۔ وہ فریب کرنا چاہتا تھا کیونکہ تم نے اس دن کام کیا جس کے بعد اصلاح ناممکن تھی۔ اگر تم نے یہ خیال کر لیا تھا کہ چونکہ پچھلے جمعہ میں لوگ زیادہ نہیں تھے اِس لیے اس جمعہ میں بھی لوگ اتنے ہی ہوں گے۔ اس لیے زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں اور تھوڑے سائبانوں سے گزارہ ہو جائے گا۔ تو یہ بھی تمہارے نفس کا ایک دھوکا تھا۔ پچھلے جمعہ میں اگر لوگ زیادہ نہیں تھے تو اس لیے کہ نماز جلدی ہو گئی تھی۔ آج بہت زیادہ لوگ آئے ہوئے ہیں اور اگلے جمعوں میں بھی آئیں گے۔ ان میں سے بہت سے گو اندر برآمدہ میں بیٹھے ہیں مگر اسی لیے کہ باہر دھوپ کی وجہ سے جگہ نہیں اور وہ مجبوراً اندر بیٹھے ہیں ورنہ ان کو باہر بیٹھنا چاہیے تھا۔

اس کے بعد مَیں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں پہلے بھی بہت دفعہ مَیں توجہ دلا چکا ہوں لیکن جو بات ضروری ہو اس کو اُس وقت تک دہرانا پڑتا ہے جب تک لوگ عمل نہ شروع کر دیں۔ بلکہ اگر عمل بھی کرنے لگیں تب بھی ضروری باتوں کو دہرانا پڑتا ہے کیونکہ بہت سے لوگ بعد میں سُست ہو جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

مَیں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جو واقعات گزشتہ ایام میں ابتلاؤں اور مصیبتوں کے پیش آئے ہیں اور جن کے متعلق خدائی خبریں بہت دیر سے چلی آ رہی تھیں وہ ختم نہیں ہو گئے بلکہ بعض نئے حالات ایسے پیدا ہو رہے ہیں جن سے فساد اور تفرقہ کی نئی صورتیں پیدا ہونی ممکن ہیں۔ اور اِس حد تک ممکن ہیں کہ گزشتہ فسادات اور گزشتہ تباہیاں ان کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جائیں۔ یہ باتیں آج تمہارے وہم اور قیاس سے اُسی طرح بالا ہیں جس طرح آج سے سال بھر پہلے تم یہ قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے کہ چھ مہینہ کے اندر اندر کیا ہو جائے گا اور کس طرح 76 لاکھ کے قریب انسان اِدھر اُدھر بھاگ جائے گا۔ بلکہ اگر دونوں طرف کی آبادی کو ملا لیا جائے تو سوا کروڑ یا ڈیڑھ کروڑ آدمی اِدھر اُدھر چلا جائے گا۔ اگر کوئی شخص تم کو صبح یہ خبر سنائے کہ ایران کا سارا ملک خالی ہو گیا ہے یا تم کو صبح یہ خبر سنائے کہ سکاٹ لینڈ کا سارا ملک خالی ہو گیا ہے یا مثلاً تمہیں یہ خبر سنائے کہ یونان اور البانیہ اور

بلغاریہ، یہ سارے کے سارے خالی ہو گئے ہیں اور اُن میں کوئی آبادی نہیں رہی تو تم اسے مانو گے بلکہ فوراً کہو گے کہ جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ یا کہو گے کہ یہ اپریل فول ہے اِس میں صداقت کا شمہ بھر بھی نہیں۔ لیکن تمہارے ملک میں یہی بات ہوئی۔ ڈیڑھ کروڑ آدمی چند دنوں کے اندر اندر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آ گیا۔ اور یہ ڈیڑھ کروڑ اپنی جائیدادوں سے بے دخل ہو گیا، اپنے مکانوں سے محروم ہو گیا اور اپنی تمام ملکیتی زمینوں کو کھو بیٹھا۔ کسی کی زمین کا ایک حصہ بلکہ حصہ کیا اگر دو کھیتوں کے درمیان کی ایک لائن جو بتاتی ہے کہ یہ کھیت اُس کا ہے اور وہ کھیت اِس کا یا ایک بٹ جو پانی روکنے کے لیے بنائی جاتی ہے یہ ساری بٹ نہیں یہ ساری لائن نہیں بلکہ اس کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی اگر کوئی دوسرا شخص لے لیتا ہے تو مقدمات شروع ہو جاتے ہیں، وکیل کیے جاتے ہیں، عدالتوں میں پیشیاں ہوتی ہیں۔ اور پھر اگر ایک جج خلاف فیصلہ دیتا ہے تو دوسرے جج کے پاس مقدمہ پہنچایا جاتا ہے۔ دوسرا جج بھی خلاف فیصلہ کرے تو تیسرے جج کے پاس مقدمہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ہائیکورٹ تک مقدمات پہنچائے جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ جب لوگ ہائیکورٹ کے فیصلہ پر بھی مطمئن نہیں ہوتے تو پریوی کونسل تک مقدمات لڑے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک ایک روپیہ کے مقدمے قانونی نقائص کی وجہ سے پریوی کونسل میں گئے ہیں۔ کیمل پور کے ایک نواب ہیں اُن کا ایک مقدمہ ایک یا دو روپیہ کا تھا مگر چونکہ اُس میں ایک قانونی سوال تھا وہ ہائی کورٹ میں گیا اور ہائی کورٹ کے بعد پریوی کونسل میں گیا اور آخر انہوں نے مقدمہ جیت لیا۔ غرض چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے سالہا سال مقدمات لڑے جاتے ہیں اور معمولی معمولی اختلافات پر دنوں، ہفتوں اور سالوں تک مجالس شکوے شکایتوں سے پُر رہتی ہیں۔ مگر یہاں کسی منڈیر کا سوال نہیں تھا، کسی پرنالے کا سوال نہیں تھا، کسی بٹ کا سوال نہیں تھا، کسی لکیر کا سوال نہیں تھا، کسی معمولی زمین کا سوال نہیں تھا بلکہ لاکھوں لاکھ ایکڑ زمین کا سوال تھا۔ غیر مسلم ہمارے علاقہ میں 72 لاکھ ایکڑ زمین چھوڑ گیا ہے اور مسلمان صرف مشرقی پنجاب میں 45 لاکھ ایکڑ چھوڑ آیا ہے۔ عمارتیں اور کارخانے الگ ہیں، لاکھوں روپے کے کارخانے صرف قادیان میں ہی تھے اور وہاں جو جائیدادیں تھیں وہ کروڑوں روپیہ کی تھیں حالانکہ وہ ایک معمولی سا قصبہ تھا۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پنجاب میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے کتنی جائیداد چھوڑی۔ درحقیقت امرتسر، جالندھر اور لدھیانہ وغیرہ میں جو جائیداد مسلمانوں نے

چھوڑی اور لاہور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لائل پور، ملتان اور راولپنڈی میں ہندوؤں نے چھوڑی اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اِدھر والے بھی اربوں کی جائیداد چھوڑ کر اُدھر گئے اور اُدھر والے بھی اربوں کی جائیداد چھوڑ کر اِدھر آئے مگر باوجود اِس کے نہ مقدمہ بازی ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور نہ اتنا شور ہے جتنا چند ایکڑ زمین کے کھوئے جانے پر بلکہ ایک زمین کی ایک لائن پر پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اسی لیے کہ

مرگِ انبوہ جشنے دارد

جب سب لوگ مر جائیں گے تو یہ موتوں کی کثرت بھی ایک جشن کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مرنے والے کو روتا ہے تو لوگ اُسے کہتے ہیں تم کیوں روتے ہو؟ کیا فلاں نہیں مر گیا؟ یا فلاں کے رشتہ دار نہیں مر گئے؟ یا جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میرا مکان جاتا رہا اور وہ غم میں رونا شروع کرتا ہے تو لوگ اُسے کہتے ہیں شرم کر کیا ہمارا مکان نہیں جاتا رہا؟ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ سب کو ایک وقت میں رونا نہیں آتا۔ رونا مختلف اوقات اور مختلف حالات میں آتا ہے۔ اگر کسی کا کوئی عزیز 11 بج کر ایک منٹ پر فوت ہوا ہو تو اُسے 11 بج کر ایک منٹ پر رونا آئے گا۔ مگر کوئی ایسا ہوگا جس کے ہاں موت 11 بج کر دس منٹ پر ہوئی ہے اُسے اُس وقت رونا آئے گا کیونکہ رونے کے بھی محرکات ہوا کرتے ہیں۔ فرض کرو کسی کا بچہ 11 بج کر ایک منٹ پر فوت ہوا ہے دوسرے دن اُس کی نظر گھڑی پر پڑی اور اُس نے دیکھا کہ 11 بج کر ایک منٹ ہو گیا ہے تو وہ رونے لگ جائے گا کیونکہ اُس وقت کو دیکھ کر اُسے اپنا بچہ یاد آ جائے گا۔ لیکن کوئی دوسرا شخص جس کا لڑکا ٹھیک بارہ بجے گھر آیا کرتا تھا وہ 11 بج کر ایک منٹ پر نہیں روئے گا بلکہ جب بارہ بجیں گے اُسے رونا آ جائے گا کیونکہ وہ کہے گا یہ وہ وقت ہے جب میرا بیٹا گھر آیا کرتا تھا۔ اِسی طرح اگر کوئی اَور ایسا واقعہ ہوا ہو جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والا ہو تو وہ واقعہ رونے کا محرک بن جائے گا۔ مثلاً کسی کا لڑکا بیمار تھا اُس نے مرنے سے چار پانچ دن پہلے پانی مانگا۔ طبیب نے کہا تھا کہ بچے کو پانی نہ پلایا جائے۔ اگر پانی دیا گیا تو مرض بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اُسے پانی نہ دیا گیا اور وہ اِسی حالت میں فوت ہو گیا۔ فرض کرو وہ دن کے چار بجے فوت ہوا تھا اب اگر تو وہ زندہ رہ جاتا تو لوگ کہتے طبیب بڑا عقلمند ہے مگر چونکہ وہ مر گیا اِس لیے طبیب احمق بن گیا۔ جونہی چار بجیں گے اُسے اپنے لڑکے کا مرنا اور طبیب کا یہ کہنا کہ بچے کو پانی نہ پلایا جائے یاد آ جائے گا۔

وہ رونے لگے گا اور کہے گا حکیم ایسے نالائق ہوا کرتے ہیں کہ میرا بیٹا پیاسا مر گیا۔ یا کسی شخص کا بچہ مر رہا تھا تو باہر ایک عورت یہ آوازیں دے رہی تھی لے لو مُولیاں، لے لو گاجریں۔ وہ یہ آواز سنے گا تو اُسے کوئی اہمیت نہیں دے گا لیکن دوسرے دن جونہی یہ آواز اُس کے کانوں میں آئے گی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں گے کیونکہ اس آواز سے اُسے یہ واقعہ یاد آ جائے گا کہ کل جب میرا بچہ مر رہا تھا اُس وقت بھی یہی آواز آئی تھی کہ لے لو مُولیاں، لے لو گاجریں۔ گویا مُولیوں اور گاجروں کی آواز اُسے اپنے بچے کی موت یاد دلا دے گی اور اسے رونا آ جائے گا۔ غرض ایک شخص کو جس وقت رونا آتا ہے دوسرے شخص کو اُس وقت رونا نہیں آتا۔ اور وہ مصیبت زدہ اُس وقت رو لیتا ہے۔ لیکن جب سب کے سب لوگ ایک ہی قسم کی مصیبت میں مبتلا ہوں تو اُس وقت رونا بے معنی معلوم ہوتا ہے اور حواس پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ افسوس کرنا کچھ بے حیائی سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انسان سوچتا ہے کہ اگر مَیں رویا یا مَیں نے افسوس کیا تو دوسرے لوگ جو میری جیسی مصیبت میں مبتلا ہیں اور رو نہیں رہے، افسوس نہیں کر رہے۔ میری نسبت کیا کہیں گے۔ اور اِسی طرح رونے اور افسوس کرنے کا وقت ٹلتا جاتا ہے۔ اِسی لیے کہتے ہیں

مرگِ انبوہ جشنے دارد

جب اکٹھی مصیبت آتی ہے تو ایک دوسرے کے جذبات اور ایک دوسرے کی کیفیات میں اطمینان اور سہارے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس وقت جو ہمارے ملک پر مصیبت آئی ہے اس سے اربوں ارب کم حصہ پر خون بہائے جاتے ہیں، اِس سے اربوں ارب کم حصہ پر تباہیاں واقع ہو جاتی ہیں، اِس سے اربوں ارب کم حصہ پر مقدمات ہوتے اور آپس میں لڑائیاں لڑی جاتی ہیں، اِس سے اربوں ارب کم حصہ پر سر پھٹول ہو جاتا ہے اور اِس سے اربوں ارب کم حصہ پر شہروں اور گاؤں اور قصبوں بلکہ ضلعوں تک کے امن برباد ہو جاتے ہیں۔ قصبہ کی ایک عورت اُدھال 1 لی جاتی ہے تو سارے آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بیسیوں دنوں تک تمام علاقہ کا امن جاتا رہتا ہے۔ مگر اِس وقت پچاس ہزار مسلمان عورت ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہے اور چند ہزار یا کم و بیش سکھ اور ہندو عورت مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مگر اِس پر وہ شورش نہیں، وہ اضطراب اور وہ دکھ نہیں جو صرف ایک عورت کے اِغوا پر برپا ہوا کرتا تھا۔ اِسی وجہ سے کہ ہر شخص سمجھتا ہے اگر مَیں نے اپنا دکھ بیان کیا تو لوگ مجھے

روکیں گے اور کہیں گے کہ کیا صرف اکیلے تم پر مصیبت آئی ہے؟ یہ تو سب پر آئی ہے۔ پس

مرگ انبوہ جشنے دارد

قومیں جب مصیبت میں مبتلا ہوتی ہیں تو اُن کی غم کی کیفیتیں بدل جاتی ہیں اور اُن کے دکھ درد عام حالات سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود اِس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عقل کا پہلو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری عقل کہتی ہے کہ اِس وقت اِتنی بڑی مصیبت آئی ہے کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک کہ نوحؑ کے وقت بھی وہ تباہی نہیں آئی جو آج آئی۔ نوحؑ کے وقت دنیا کی آبادی بہت کم تھی۔ اِس لحاظ سے جہاں طوفان سے بچنے والے قلیل لوگ تھے وہاں جو لوگ طوفان سے تباہ ہوئے اُن کی تعداد بھی غیر معمولی طور پر زیادہ نہیں تھی۔ نوحؑ کی قوم جو اُن پر ایمان لائی پرانے زمانہ کی لکڑی کی ایک کشتی میں سوار ہوگئی تھی۔ اِس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ لوگ کتنے تھے۔ اور اُنہی پر قیاس کر کے باقی آبادی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بے شک قرآن کریم نے نوحؑ پر ایمان لانے والوں کے متعلق قلیل کا لفظ استعمال کیا ہے مگر قلیل اور کثیر میں کچھ تو نسبت ہوتی ہے۔ اگر نوحؑ پر ایمان لانے والے اور طوفان سے محفوظ رہنے والے افراد ہم ساٹھ ستّر سمجھ لیں تو وہ لوگ جو تباہ ہوئے وہ زیادہ سے زیادہ چھ سات ہزار ہوں گے۔ گویا ایک قصبہ بھی جو آج تباہ ہوا اُس کے مقابلہ میں نوحؑ کے طوفان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ لیکن قرآن کریم کو دیکھو تو وہ نوحؑ کے طوفان کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ اِسی طرح فرعون کا لشکر جو غرق ہوا اُس کی کتنی تعداد ہوگی؟ زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار ہوگی۔ مگر تمہارا تو پانچ لاکھ آدمی مشرقی پنجاب میں مارا گیا ہے اور اِدھر بھی کچھ نہ کچھ سکھ اور ہندو مارا گیا ہے۔ اگر دونوں کو ملا کر چھ سات لاکھ تعداد سمجھ لی جائے اور دو تین لاکھ جموں اور کشمیر کے لوگ سمجھ لیے جائیں تو یہ دس لاکھ تعداد بن جاتی ہے۔ اگر اِس میں وہ مسلمان بھی شامل کر لیے جائیں جو ہندوستان میں مارے گئے تو بارہ تیرہ لاکھ تعداد بن جاتی ہے۔ اِس کے مقابلہ میں بھلا نوحؑ کے طوفان کی کیا نسبت ہے۔ اور فرعون کے لشکر میں سے ڈوبنے والوں کی تباہی اِس کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہے۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگِ عظیم میں بھی بہت لوگ تباہ ہوئے۔ دس گیارہ لاکھ جرمن مارا گیا۔ چار پانچ لاکھ جاپانی مارا گیا۔ جاپانی نسبتاً کم مارے گئے کیونکہ اُنہوں نے جلد ہی ہتھیار ڈال دیئے

تھے۔ اِسی طرح روسی بھی دس بارہ لاکھ مارے گئے۔ انگریز بھی تین ساڑھے تین لاکھ مارے گئے، امریکن بھی لاکھ ڈیڑھ لاکھ مارے گئے۔ اِن سب کو ملا لیا جائے تو اندازاً 26، 27لاکھ آدمی پانچ سال میں مارا گیا ہے۔ یہ 26، 27لاکھ آدمی دنیا کے تمام گوشوں اور کناروں پر مارا گیا ہے۔ ایک کے مرنے کی جگہ دوسرے مرنے والے کی جگہ سے بعض دفعہ پندرہ پندرہ، بیس بیس میل دور تھی اور ایک مرنے والے اور دوسرے مرنے والے کے درمیان بعض دفعہ پانچ پانچ سال کا فاصلہ تھا۔ مگر یہاں جو بارہ تیرہ لاکھ آدمی مارا گیا ہے ایسے محدود علاقہ میں مارا گیا ہے اور اِتنی چھوٹی سی جگہ میں مارا گیا ہے کہ جس میں ایک ہی زبان بولی جاتی تھی۔ ایک ہی قسم کی عادات لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ ایک ہی حکومت رائج تھی اور رسم و رواج بھی ایک ہی قسم کے تھے۔ یہ سارے کے سارے ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کے اندر اندر مارے گئے اور اِس طرح مارے گئے کہ ایک کی موت پر ابھی لوگوں کے آنسو نہیں تھمے تھے کہ دوسرا مر گیا۔ ایک خاندان کی چیخیں ابھی بند نہیں ہوئی تھیں کہ دوسرے خاندان میں سے چیخوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں اور یہ سب کچھ اِس سُرعت سے ہوا اور اتنے تھوڑے سے علاقہ میں ہوا کہ جرمنی کی تباہی بھی اِس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ نظر آتی ہے۔ یوں ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں آدمی ہر روز مرتے ہیں۔ دو ارب کی دنیا اگر ہم سمجھ لیں اور یہ فرض کر لیں کہ 1/4 فی ہزار مرتا ہے تو اِس کے لحاظ سے پچیس آدمی فی لاکھ اور اڑھائی ہزار آدمی فی کروڑ مرتا ہے۔ دنیا کی آبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آجکل دو ارب کے قریب ہے۔ اڑھائی ہزار فی کروڑ کے لحاظ سے اڑھائی لاکھ آدمی روزانہ مرتا ہے مگر پتہ بھی نہیں لگتا کہ اتنے آدمی مر گئے ہیں۔ اِس کے مقابلہ میں اگر ایک کشی ڈوب جاتی ہے یا موٹر اُلٹ جاتی ہے اور پانچ سات آدمی مر جاتے ہیں تو ایک آفت آ جاتی ہے اور سب لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں کہ فلاں جگہ موٹر گری دس آدمی مر گئے اور پندرہ زخمی ہوئے۔ یا کشتی غرق ہوئی اور اتنے آدمی ڈوب گئے۔ غرض تین چار دن مسلسل ایک کُہرام مچا رہتا ہے۔ اِس لیے کہ وہ موت قریب واقع ہوتی ہے لیکن جو اڑھائی لاکھ آدمی روزانہ مرتا ہے یہ فاصلہ فاصلہ پر مرتا ہے۔ اِتنے فاصلہ پر کہ ایک کی خبر دوسرے کو نہیں پہنچتی یا اگر پہنچتی بھی ہے تو بُعدِ مقام اور بُعدِ احساس اور بُعدِ حکومت کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ مگر یہاں قُربِ مقام اور قُربِ قومیت اور مطابقتِ رسم و رواج اور ایک حادثہ سے ہلاک ہونے کی وجہ سے مرنے والوں کا صدمہ بہت سخت ہوا ہے۔ ورنہ اڑھائی لاکھ آدمی دنیا میں روزانہ مرتا ہے اور پتہ بھی نہیں لگتا۔

اگر پانچ دس آدمی کسی حادثہ کی وجہ سے مر جائیں تو کہرام مچ جاتا ہے مگر یہاں تو پانچ دس نہیں بارہ تیرہ لاکھ آدمی مارا گیا ہے اور اتنا آدمی مارا گیا ہے کہ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور نے اتنے آدمی مارے تھے کہ بعض جگہ مُردوں کے تودے لگ جاتے تھے۔ نہ معلوم تاریخ اِس بارہ میں کتنا مبالغہ کرتی ہے لیکن اگر یہ واقعہ ہے اور سچ ہے تو بھی تیمور نے جو تودے لگائے تھے اُس سے سینکڑوں گُنا بڑے تودے پچھلی تباہی کی وجہ سے لگے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تیمور نے مُردوں کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا تو تودہ بن گیا مگر پنجاب کے مُردوں کا ڈھیر نہیں لگایا گیا۔ اگر پنجاب کے مُردوں کی لاشیں بھی ایک جگہ اکٹھی کی جائیں تو تیمور کے تودوں سے سینکڑوں گُنا بڑے تودے بن جاتے۔ مثلاً وہی قافلہ جو قادیان سے پیدل چلا تھا اس کے متعلق ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اس میں سے ہزار سے دو ہزار تک آدمی رستہ میں مار دیئے گئے تھے۔ چنانچہ اس کے سات آٹھ دن بعد جو قافلے قادیان گئے اور جن میں بعض انگریز بھی تھے اُنہوں نے بتایا کہ راستہ میں مُردوں کی بُو کی وجہ سے ناک کو کھولا نہیں جا سکتا تھا۔ نہر میں ریت کے اندر مُردے پڑے ہوئے تھے، کھیتوں میں مُردے پڑے ہوئے تھے اور گدھ اور چِیلیں چاروں طرف منڈلاتی اور لاشوں کو نوچتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اگر ان تمام مُردوں کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا جاتا تو شاید تیمور کی گردن بھی شرم کے مارے جھک جاتی یا یوں کہو کہ اُس کی گردن اونچی ہو جاتی اور وہ کہتا کہ مَیں نے تو اتنے آدمی نہیں مارے جتنے اِن لوگوں نے مارے ہیں۔

غرض حالات کے فرق کی وجہ سے بعض دفعہ ایک چیز کی اہمیت نظر نہیں آتی مگر جو کچھ پیچھے ہوا اس کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ ایک شدید ترین مصیبت کا دَور تھا جو مسلمانوں پر آیا۔ اگر خدانخواستہ اب اِس سے بھی بڑی مصیبت آئی تو تم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ کیا ہوگی۔ جتنی رپورٹیں ملتی ہیں اُن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بُغض اور کینہ کی آگ کو ہوائیں دی جا رہی ہیں اور آئندہ فساد کے منصوبے کیے جا رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی یہی آوازیں آ رہی ہیں اور تمہارے نفوس کی حالت بھی یہی بتاتی ہے کہ ابھی اَور مصائب آنے والے ہیں۔ دیکھو! کوئی ماں اپنے بچے کو مارنا نہیں چاہتی۔ اگر وہ کسی غلطی پر اُسے تھپڑ مارتی ہے اور بچہ پھر وہی کام کرتا ہے جس پر اُسے تھپڑ مارا گیا تھا تو صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ ماں اُسے پھر تھپڑ مارے گی کیونکہ وہ پھر وہی کام کرنے لگ گیا ہے جس سے ماں نے اُسے روکا تھا۔ اگر بچہ اُس فعل کے ارتکاب سے رُک جائے تو عقلمند انسان جان لیتا ہے کہ اب ماں اُسے نہیں

مارے گی۔ سوائے اِس کے کہ وہ غصہ میں پاگل ہو جائے مگر ہمارا خدا غصہ میں پاگل نہیں ہوسکتا۔ ماں کے متعلق تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اسے بعض دفعہ اِتنا غصہ ہو کہ اگر بچہ اس فعل سے رُک جائے تب بھی دیوانگی اور جوش کی حالت میں وہ اُسے مارنے لگ جائے۔ گو عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ماں کی مامتا فوراً روک بن جاتی ہے اور وہ بچے کو بلا وجہ نہیں مارتی۔ وہ سمجھتی ہے کہ جب میری غرض پوری ہوگئی ہے تو مجھے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن اگر کوئی ماں اپنے بچہ کو بلا وجہ مارنے لگ جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بلا وجہ اپنے بندوں کو دکھ میں ڈالتا ہے۔ جب ہمیں نظر آتا ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو تھپڑ مارا اور اِتنا سخت مارا کہ اُس رحیم و کریم ہستی پر نظر کرتے ہوئے اِس کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ تو صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ رحیم و کریم ہستی لوگوں کے گناہوں سے تنگ آ گئی تھی۔ وہ ان کے اعمال سے زچ ہوگئی تھی، وہ انہیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی تھی۔ اُس نے چاہا کہ بندہ اُس کی طرف آئے اور اُس کی محبت اور پیار کو حاصل کرے مگر انسان نے اُس کی آواز کو نہ سنا، نہ سمجھا اور نہ مانا۔ آخر اُس نے انسان کے فائدہ کے لیے ایک تھپڑ مارا اور بڑا سخت مارا۔ چاہیے تھا کہ اِس کے بعد لوگ اپنی اصلاح کر لیتے اور دوسرے تھپڑ کی نوبت نہ آتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اب تک انسان اُنہی کاموں میں مشغول ہے جن میں وہ پہلے مشغول تھا۔ اب تک ایثار اور قربانی کا مادہ اُس نے اپنے اندر پیدا نہیں کیا، اب تک نیکی اور تقویٰ کی روح اُس نے اپنے اندر پیدا نہیں کی۔ وہ پھر اُنہی غفلتوں اور اُسی لُوٹ مار اور دنگا فساد میں مشغول ہے جس میں وہ پہلے مشغول تھا۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ اب کے پھر تھپڑ پڑے گا اور وہ پہلے سے زیادہ سخت ہوگا۔

بہرحال یہ ساری چیزیں ایک چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ الٰہی خبریں کہہ رہی ہیں کہ ابھی اَور ابتلا آنے والے ہیں۔ رپورٹیں اور مخبریاں بتا رہی ہیں کہ شرارتوں اور فسادوں کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ تمہارے نفس بتا رہے ہیں کہ جس غرض کے لیے تھپڑ مارا گیا تھا وہ پوری نہیں ہوئی، جس مقصد کے لیے تمہیں پیٹا گیا تھا وہ ابھی حاصل نہیں ہوا۔ جب پہلے تھپڑ کی غرض یہی تھی کہ تمہاری اصلاح ہو تو اصلاح نہ ہونے کی صورت میں لازمی طور پر دوسرے تھپڑ کی تیاری کی جائے گی سوائے اِس کے کہ تم اُس کے مارنے سے پہلے اپنی اصلاح کرلو۔

پس مَیں تمہیں ایک دفعہ پھر توجہ دلاتا ہوں۔ یہ نہیں کہ آخری دفعہ بلکہ اگر ہر دفعہ بھی مجھے یہی

کہنا پڑے تو مَیں کہوں گا یہاں تک کہ تمہارے نفسوں میں اصلاح پیدا ہو جائے۔ یوں تو مَیں سب لوگوں کو یہی کہوں گا مگر مَیں تمہیں خاص طور پر اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کیونکہ مَیں تمہارا ذمہ دار ہوں سب کا نہیں۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے تو تم عذاب میں شریک نہیں کیے جاؤ گے۔ تمہیں خدا نے دنیا کی اصلاح کے لیے پیدا کیا ہے اور اِس وجہ سے وہ اپنا سارا زور اِس بات میں صَرف کرے گا کہ تمہیں اس عذاب سے بچائے۔ جب دنیا میں لوگ غرق ہو رہے ہوں تو اُس وقت تیرا کوں کو نہیں مارا جاتا۔ اگر تیراک مار دیئے جائیں تو دنیا کو بچایا نہیں جا سکتا۔

ہماری تاریخ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت سعدؓ کو ایران کی ایک ایسی جنگ میں شامل ہونا پڑا جس جنگ سے پہلے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ یہ نقصان ایک غزوہ میں ہوا جسے غزوہ جسر کہتے ہیں۔ اس میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں مسلمان مارے گئے تھے کیونکہ دشمن نے دریا کے پار اُن پر حملہ کیا اور ایسی ہوشیاری کی کہ اُس نے پُل پر قبضہ کر لیا۔ جب مسلمانوں کو دھکیلا گیا تو چونکہ پیچھے زمین نہیں تھی اور پُل پر دشمن قابض تھا اُن کے لیے یہی صورت رہ جاتی تھی کہ وہ دریا کے کناروں پر آ جاتے۔ وہاں دشمن نے اَور زیادہ دباؤ ڈالا تو مسلمان پانی میں گر گئے اور چونکہ عرب تیرنا نہیں جانتے تھے سینکڑوں آدمی ڈوب گئے۔ اِس جنگ کا بدلہ لینے کے لیے حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور چونکہ بہت سی اسلامی فوج شام میں بھیجی جا چکی تھی اور چونکہ پچھلی جنگ میں بڑا بھاری نقصان ہوا تھا حضرت عمرؓ کوئی بڑا لشکر نہ بھجوا سکے۔ جو لشکر دشمن کے مقابلہ میں لڑنے کے لیے بھجوایا گیا اُس کی تعداد ایرانی لشکر کے مقابلہ میں صرف 1/10 تھی۔ ایرانی لشکر کی کمانڈ، رستم کر رہا تھا مگر قصوں والا رستم نہیں۔ اگر اُس کا کوئی وجود ہوا ہے تو وہ دو تین سو سال پہلے ہوا تھا۔ یہ اَور رستم تھا اور یہ بھی اپنی قوم میں بہت دلیر اور جری سمجھا جاتا تھا۔ غرض رستم ایرانی لشکر کی کمانڈ کر رہا تھا اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اسلامی لشکر کی تعداد ایرانی لشکر کے مقابلہ میں صرف 1/10 تھی۔ ایرانی لشکر میں ہاتھی بھی تھے جن سے اونٹ بہت ڈرتا ہے اور اِسی طرح اَور بھی بہت سا سامان جنگ تھا۔ اُس وقت عرب کا ایک سردار جو اسلامی تعلیم سے زیادہ واقف نہیں تھا لوگوں کے رغبت دلانے پر شراب پی بیٹھا اور حضرت سعدؓ نے اُس کو قید کر دیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو پاس ہی اُس جگہ جہاں خیمے لگے ہوئے تھے ایک عرشہ بنایا گیا تھا تا اُس پر بیٹھ کر حضرت سعدؓ لڑائی کا نظارہ دیکھ سکیں اور اپنی فوجوں کو مناسب احکام دے سکیں۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ

حضرت سعدؓ کی سرین پر ایک پھوڑا نکلا ہوا تھا اور اِس وجہ سے وہ لڑائی میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ پہلے دن کی لڑائی میں اسلامی لشکر کے قدم پوری طرح جمے نہیں۔ وہ قیدی جو بہت بہادر اور جری انسان تھا جب وہ اِن باتوں کو سنتا تو اُس سے برداشت نہیں ہوسکتا تھا اور وہ قید خانہ میں ٹہلنے لگ جاتا۔ تھوڑی دیر تک اُس نے ٹہل کر وقت گزارا مگر اُس سے پھر بھی برداشت نہ ہوا اور آخر اُس نے دستک دے کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی بیوی کو بُلوایا۔ وہ آئیں تو اُس نے کہا بی بی! ایک عرب کی زبان جس طرح اپنے وعدہ کو پورا کرتی ہے تم اُس سے خوب واقف ہو کیونکہ تم تو خود عرب ہو۔ مَیں ایک عرب کی حیثیت سے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر لڑائی میں مَیں زندہ رہا تو شام کو خود یہاں آ جاؤں گا۔ تم مجھے ہتھکڑیاں پہنا دینا لیکن مسلمانوں کی یہ کمزوری مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں بھی لڑائی میں حصہ لوں۔ حضرت سعدؓ کی بیوی ایک دلیر عورت تھیں اُن پر اِس دلیری اور قربانی کا اِتنا اثر ہوا کہ انہوں نے قانون کو توڑتے ہوئے اُس کی بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور کہا مَیں تم پر اعتبار کرتی ہوں۔ اگر زندہ رہے تو واپس آ جانا۔ وہ گیا اور اُس نے لڑائی میں حصہ لیا اور ایسی بے جگری سے لڑا کہ جہاں جاتا مسلمانوں کے قدم پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتے۔ مگر لڑتے وقت اُس نے اپنے منہ پر نقاب ڈالی ہوئی تھی۔ یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ وہ کون ہے۔ حضرت سعدؓ اُسے دیکھتے تو کہتے خدا اِس کا بھلا کرے یہ لگتا تو فلاں شخص ہے مگر وہ تو قید میں ہے۔ اِسی طرح اُس نے لڑائی کے ایک یا دو دن گزارے۔ آخر حضرت سعدؓ کو پتہ لگ گیا کہ یہ وہی شخص ہے جسے انہوں نے قید کیا ہوا تھا اور یہ کہ اُن کی بیوی نے اُسے چھوڑا ہے۔ سعدؓ اپنی بیوی پر ناراض ہوئے اور کہا کہ تم نے ایک خلافِ قانون فعل کیا ہے جو تمہیں سزا کا مستحق بناتا ہے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ حضرت سعدؓ کو پھوڑا نکلا ہوا تھا اور وہ عرشہ پر یا سواری پر بیٹھ کر فوج کی حالت دیکھا کرتے تھے۔ خود لڑائی میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ جب وہ اپنی بیوی پر خفا ہوئے تو اُن کی بیوی نے نہایت غصہ سے جواب دیا کہ تم کو شرم نہیں آتی! خود سواری یا عرشہ پر بیٹھ کر حکم چلاتے ہو اور تم مجھے یہ کہتے ہو کہ مَیں اُس شخص کو لڑائی میں حصہ لینے سے محروم کر دیتی جو جری اور دلیر تھا اور تمہاری طرح بیٹھ کر حکم دینے کا عادی نہیں تھا۔ سعدؓ نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے۔ 2 کیونکہ گو یہ بات غیر آئینی تھی مگر اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقت پر جس کام سے تعلق رکھنے والا کوئی آدمی ہوتا ہے اُسے اُس کام سے محروم نہیں رکھا جاتا کیونکہ اُس وقت کا خاص مرد وہی ہوتا ہے۔

سو اگر تم اپنی اصلاح کر لو تو چونکہ دنیا کو بچانے کی ذمہ داری تم پر ہے اِس لیے اگر عالمگیر تباہی دنیا پر آ بھی گئی تو خدا تم کو ضرور بچائے گا اور تمہارے لیے کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ اِس لیے نہیں کہ تم اُس کے بندے ہو اور وہ اس کے بندے نہیں بلکہ اِس لیے کہ اگر عالمگیر عذاب میں تم بھی مبتلا ہو گئے تو دنیا کو کون بچائے گا۔ دنیا کا سہارا اِس وقت تم ہو۔ اِس لیے وہ تمہارے نکالنے کے لیے کوئی راہ ضرور پیدا کر دے گا کیونکہ تمہارے بغیر دنیا کی اصلاح اور اِس کی نجات کا اَور کوئی ذریعہ نہیں۔ لیکن اگر تم نے اپنے اندر تغیر پیدا نہ کیا اور عالمگیر مصیبت آ گئی تو خدا کہے گا اِن لوگوں کو بھی مرنے دو کیونکہ یہ بھی ویسے ہی ہیں جیسے اَور لوگ۔ پس اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کرو اور اپنے اندر ایسا تغیر رونما کرو کہ خدا کی ذات اِس بات کا اقرار کرے کہ یہ قوم دوسری قوموں سے بالکل الگ ہے۔ اِس کی قربانی اور اِس کی اطاعت اور اِس کی محبت دوسری قوموں کی قربانی اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے"۔

(الفضل یکم دسمبر 1948ء)

1: اُدھال: اغوا۔ کسی کی عورت کو بھگا کر لے جانا (پنجابی اردو لغت مؤلفہ تنویر بخاری، صفحہ 302 اردو سائنس بورڈ لاہور)

2: تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ 475، 476 مطبوعہ بیروت 1965ء